کوثر الہ آبادی

علمدارِ حسینیؑ

(۱)

جب افق پر ہوا خورشید کا زرتاج عیاں
رات کی زلف سمٹ کر ہوئی مغرب میں نہاں
صبح کا سیل ہوا حجلۂ مشرق سے رواں
نور سے بھر گئے آفاق کراں تا بہ کراں
شادیانے لگیں پتوں پہ بجانے کرنیں
دشت و کہسار لگیں پھر سے سجانے کرنیں

(۲)

پھر لگا گونجنے چہکار سے چڑیوں کی چمن!
خام چاندی سے نظر آنے لگے دشت و دمن
اوس سے بھیگ گئے سب سر و سمن
سبزۂ تر پہ بکھرنے لگے دُرہائے یمن
پا گئی ہے جو اُمنگوں کا اشارہ نرگس
رقصِ طاؤس کا کرتی ہے نظارہ نرگس

(۳)

ہر طرف پھول ہیں تا حدِ نظر پھول ہی پھول
اک عجب شان سے بالائے شجر پھول ہی پھول
سبزۂ تازہ پہ ہمرنگِ گہر پھول ہی پھول
جس طرف بھی نظر اٹھ جائے ادھر پھول ہی پھول
شاق ہے ذکرِ خزاں ہے یہ زمانہ گل کا
لُٹ رہا ہے سرِ گلزار خزانہ گل کا

(۴)

پھول سے دشت و دمن پھول سی گلشن کی زمیں
پھول سے جامۂ نسریں پھولے نہ سماتے تھے حسیں
پھول ہی پھول کہ خاروں کو جگہ ملتی نہیں
کیا عجب مرغِ چمن پھول نہ بن جائے کہیں
پا گئی آج جو خوشیوں کا خزانہ بلبل
للہ الحمد کا پڑھتی ہے ترانہ بلبل

(۵)

رات اترے ہیں یہاں تختِ روانِ پریوں کے
ہر طرف بکھرے ہیں قدموں کے نشان پریوں کے
ہوش گم بازیِ گل میں تھے جہاں پریوں کے
ست لڑے ٹوٹے بکھرے ہیں ہاں پریوں کے
یہ رچی ہے جو جواں جسموں کی مہکار یہاں
خاک پر رکھے ہیں ان پریوں نے رخسار یہاں

(۶)

صبح دم آئی تھیں حورانِ بہشتی بھی یہاں
صدقے کرتی رہیں اس ارض کی تقدیس پہ جاں
کبھی اس خاک پہ رکھتی تھیں جبینِ تاباں
کبھی زلفوں میں بھرا اس کو برنگِ افشاں
اسکی تقدیس کے داؤد نے گن گائے ہیں
سجدے کرتے ہوئے ایوب یہاں آئے ہیں

(۷)

اسی رستے سے گئے ہیں ابھی جبریل امیں!
خط لگے پر سے بصد فخر بہاری یہ زمیں
مست ہو ہو کے یہ کہتے تھے بصد خندہ جبیں
اس جگہ ہے پسرِ سید لولاک مکیں
یاں شکوہِ قلم و عرش نے منزل کی ہے
یاں خدیوِ فلک و فرش نے منزل کی ہے

(۸)

ہے یہاں نورِ محمد کا نزولِ اجلال
جسنے فطرس سے معذب کو دیئے پھر پر و بال
ہمسری انکی کرے کیا ہے فرشتے کی مجال
انکا قوسین تلک ظلِ ہمائے اقبال
راہ گم گشتہ کو منزل کا اشارہ یہ ہیں!
شب کی تاریکی میں تابندہ ستارہ یہ ہیں

صف بہ صف اور ملک تھے پسِ جبریلِ امیں — انکی تکبیر کے نعروں سے دہلتی تھی زمیں
(۹)
اِک طرف جھوم کے کہتے تھے یہ رضوانِ حسیں — میں بنا تھا کبھی خیاط پئے سرورِ دیں
فخر سے ایک ملک کہتا تھا یہ تن تن کے
درِ شبیر پہ اترا میں ستارہ بن کے

خیمۂ سیدِ والا میں یہ تھا ذکر وہاں — لو شبیہِ شہِ کونین چلے دینے اذاں
(۱۰)
منتظر ہیں گلِ تسبیح لئے شاہِ زماں — ناگہاں لحنِ محمد سے چمک اٹھا جہاں
صوت کی گونج سے دل دشت کا تھرانے لگا
ذرہ ذرہ اسی آواز کو دہرانے لگا

خاک پر کر کے تیمم چلے سلطانِ زماں — ناگہاں فوجِ عدو آگے بڑھی چند کماں
(۱۱)
تھی جو منظور یہاں بندگیِ ربِ جہاں — ہو گئے صف کیلئے سینہ سپر چند جواں
تیر کی باڑھ میں قدِ مومنیں نہ لغزش آئی
عزم کی تیغ میں کچھ اور بھی برش آئی

یونہی جاں کرتے رہے نذرِ غلامانِ حسینؑ — مسلم و ابنِ مظاہر صفِ جنگاہ کی زین
(۱۲)
خلد میں جامِ لبن پی کے ملا قلب کو چین — بی بیاں کرتی رہیں سب کیلئے شیون و شین
یاں نہ کچھ فرق کیا شاہ نے دلداری میں
واں ملی خلد محمد کی عملداری میں

بعدِ انصارِ عزیزوں کے ہوئے سر بھی قلم! — زینبِ تفتہ جگر پر بھی گرا کوہِ الم!!
(۱۳)
فردِ قربانی میں اکبر کا ہوا نام رقم — قاسمِ ماہ لقا بھی ہوئے پامالِ ستم
خون میں ڈوب گئے چاند بنی ہاشم کے
سترہ چاند ہوئے ماند بنی ہاشم کے

ناگہاں پیاس کی شدت سے سکینہؑ مچلی!
گود میں ماں نے لیا پھر بھی نہ بچی بہلی
پوچھا عمو ہیں کہاں جب کبھی حالت سنبھلی (۱۴)
ہر طرح لوگوں نے بہلایا نہ صورت بدلی
حال یہ دیکھ کے فضہ در خیمہ پہ گئی
اور پکاری کہ علمدار پہ میں صدقہ گئی

کیفیت اپنی بھتیجی کی تو دیکھیں آکر
حلقے آنکھوں میں ہیں پپڑی سے جمی ہونٹوں پہ
پہنچے یہ سنتے ہی عباس بہ اذنِ سرور (۱۵)
دیکھ کر انکو ہوئی بچی کی حالت بہتر
بولے عباسؑ میں قربان یہ حالت کیا ہے؟
پیاس میں دل کے بہلنے کی یہ صورت کیا ہے؟

پوچھا بچی نے کہ کیا سخت ہے پہرا اب بھی
بولے عباسؑ کہاں فوج کی حالت ہے وہی
میں مگر جاتا ہوں تم مشک تو لا دو اپنی (۱۶)
اتنا سنتے ہی سکینہؑ گئی جلدی جلدی
تھوڑی ہی دیر میں اک مشک لئے پھر آئی
مشک تو لائی پہ سر تا بقدم تھرائی

جوڑ کر ہاتھ یہ بولی کہ مرے اچھے چچا
فوج گر روکے تو رستے ہی سے لوٹ آئیے گا
بولے عباسؑ! پلٹنا نہیں شیوہ اپنا (۱۷)
اتنا سنتے ہی تڑپ کر یہ سکینہؑ نے کہا
مجھ کو گر پیاس سے موت آئے تو کچھ دور نہیں
آپکی عمو جدائی مجھے منظور نہیں!!

مشک عباسؑ نے لی پیار سکینہؑ کو کیا
خشک ہونٹوں کی طرف دیکھ کے چپکے سے کہا
میری شہزادی پریشان نہ تم ہونا ذرا (۱۸)
ہاں مرے حق میں دعا حق سے یہ کرتی رہنا
میرے آقا سے مجھے اذنِ وغا بھی مل جائے
پانی لے آؤں مرا غنچۂ دل بھی کھل جائے

پہنچے عباس جھکائے ہوئے سر شاہ کے پاس
شاہ نے دیکھ کے مشکیزہ کہا کیوں عباس
(۱۹)
خوب حیلہ ہے یہ خیر آئے یہ سقائی راس
پر نہ یہ سوچا کہ زینب کی تم ہی ہو اک آس

ہم کو مرنا ہے جو تم بھی نہ ہوئے پہلو میں
کون روکے گا بندھے گی جو رسن بازو میں

سن کے عباس یہ ارشادِ امامِ بیکس
منہ سے کچھ کہہ نہ سکے رہ گئے لب چاٹ کے بس
(۲۰)
مچھلیاں بازو کی پھڑکیں کھنچی اک اک نس
گوشۂ چشم سے دیکھی سپہِ مور و مگس

دلمیں کہنے لگے گو ہے تو بہت پاس مجھے
تیغ کھنچ جائے تو یہ خود کہیں عباس مجھے

حال یہ دیکھ کے عباس کا شہ نے یہ کہا
اچھا رخصت ہو یہ لے جاؤ علم بھی اپنا
(۲۱)
باپ کے منصبِ عالی کے ہو وارث بھیا
پھر خود ہی بڑھ کے علم ہاتھ میں غازی کے دیا

سن کے غازی نے یہ مولا کے قدم کو چوما
(مطلع)
پھر درِ خیمہ سے نکلے تو علم کو چوما

جب کیا برجِ شرف سے مہِ کامل نے طلوع
خود پر مہر نے بکھارے انوار شروع
(۲۲)
خبرِ آمدِ عباس ہوئی یوں مسموع
شام کے پل بھی چھپے جاتے تھے سہمے رکوع

کوئی کہتا تھا وہ پنجہ وہ پھریرا چمکا
کوئی بولا کہ وہ تلوار کا قبضہ چمکا

صبح عباس ادھر کرتے تھے جبریل میں
چشمِ افلاک نے دیکھا ہی نہیں ایسا حسین
(۲۳)
زلفِ خمدار کے دو ہالے یہ کانوں کے قرین
ماہِ کامل سا یہ چہرہ یہ ستارہ سی جبیں

مستزاد اس پہ شہامت کا عجب عالم ہے
ایک بچہ ہے مقابل میں اگر رستم ہے

زورِ بازو کا یہ عالم کہ مثالِ کرّار
نصرتِ حق میں جو یہ کھینچ لیں اپنی تلوار
بدر کی طرح لگیں کشتوں کے ہر سو انبار (۲۴)
ابنِ مرجانہ پہ مسدود ہو ہر راہِ فرار
یہ جو تلوار کے آئینے کو چمکائیں ابھی
چہرے شہ زور وہ پل بھر میں بگڑ جائیں ابھی

اذن گر دیں پسرِ سیدِ لولاک ابھی!
یہ کریں مرحب و عنتر کے جگر چاک ابھی
شام والوں سے کریں ان کی زمیں پاک ابھی (۲۵)
ہاشمی تیغ کی بجلی کے پھریں دھاک ابھی
قلبِ لشکر میں یہ طوفان اٹھا کر پلٹیں
تیغ کے سیل میں خاشاک بہا کر پلٹیں!

یہ مگر مشک و علم بخشش سلطانِ زماں
فرض عباس پہ ہے انکی حفاظت کا گراں
تھے علی بھی تو علمدارِ شہنشاہِ جہاں (۲۶)
جنگِ خیبر میں لڑے گاڑ کے پتھر پہ نشاں
یادگار ہوگی مگر آج کی کراری بھی
علم و مشک بھی ہے رخش کی طراری بھی

رخش پاکھر سے مزیّن جو کھڑا تھا در پر
سب یہ کہتے تھے کہ رستم ہے زرہ کے اندر
وہی قوت کا سرور اور وہی بانکے تیور (۲۷)
پیش منظر وہ نکے تھے جنگوں کے گزشتہ منظر
قوس گردن میں جو حیدر کی تھیں دادیں پنہاں
بیقراری میں تھیں صفین کی یادیں پنہاں

بڑھ کے عباس گئے اسپِ وفادار کے پاس
کثرتِ غم میں بھی مطلق نہ تھا چہرے پہ ہراس
ساتھ تھی انکے بھتیجی کی دعا بھائی کی آس (۲۸)
پشتِ زیں پر گئے چٹکی میں لی رہوار کی راس
اپنے راکب کے اشارے پہ وہ رہوار چلا
کشورِ حسن سے یا کوئی طرحدار چلا

حُسنِ غازی سے بڑھی شوکتِ ہموار کچھ اور
چال پر یونکی ہوئی مست و طرحدار کچھ اور
(۲۹)
چھب جو مشکی تھی ہوئی آہوئے تاتار کچھ اور
سحر پھیلانے لگی جسم کی مہکار کچھ اور
چال چھب رنگ مہک سب بتِ طنّاز کے طور
چشم و ابرو میں مگر عاشقِ جانباز کے طور

اِس طرف حضرتِ عباسؑ چلے بہرِ وغا
اُس طرف فوجِ عدو میں ہوئی ہلچل برپا
(۳۰)
افسروں سے پسرِ سعدِ نجس نے یہ کہا
جنگ اب سخت ہے دستوں کو جمائے رکھنا
میمنہ، میسرہ و قلب نہ گر سر پہ ہوں
پُشت کی فوج سے اِک ساتھ کمانیں سر ہوں

تم ابھی حملۂ نوشاہ نہ بھولے ہوگے
نیچے دو صفتِ ماہ نہ بھولے ہوگے
(۳۱)
شوکتِ اکبرِ ذی جاہ نہ بھولے ہوگے
چھٹتی فوجیں صفتِ کاہ نہ بھولے ہوگے
سب تھے سکھلائے ہوئے جنکے وہ جرّار ہیں یہ
آج کے معرکے کے حیدرِ کرّار ہیں یہ!!

یاں تو یہ ذکر تھا عباسؑ اُدھر پہنچے قریں
بولے آئے لوگو مجھے تم سے سروکار نہیں
(۳۲)
جانِ بلب پیاس سے آقا کے ہیں اطفالِ حسینؑ
جان بچ جائے جو پانی انھیں مل جائے کہیں
بولے ہٹ جاؤ مجھے نہر تلک جانا ہے
مشک جو دوش پہ ہے بھر کے ابھی لانا ہے

کیا تمہیں علم نہیں کون ہوں میں نام ہے کیا
کس مکرّم نے کیا ہے یہ علم مجھ کو عطا!!
(۳۳)
کس تقدس کے یہ خیمے ہیں عقب میں برپا
مرتبہ میں یہ زمیں عرش سے ہے آج سوا
کیوں محمدؐ کے دُلاروں کو بھلا بیٹھے ہو!
فخرِ کونینؐ کے پیاروں کو بھلا بیٹھے ہو!

ہے یہاں سیدِ عالم کا نزولِ اجلال
سیر بر دوش ہوا جنکے غلاموں کا کمال
خاکِ پا نوحؑ کو ہے سرمۂ چشمِ اقبال (۳۴)
انکے بندوں کو چھوئے موت کہاں اتنی مجال
انکی الفت میں خزفِ لعلِ بدخشاں بن جائے
گر کرم انکا ہو چیونٹی بھی سلیماں بن جائے

قرۃ العینِ محمدؐ پسرِ شیرِ الٰہ
قوتِ قلبِ حسنؑ۔ فاطمہؑ کے نورِ نگاہ
آتش و آب و نسیم و گل و صحرا و گیاہ (۳۵)
جنکی توصیف میں مصروف یہ سب شام و پگاہ
ایسے ذی جاہ سے نسبت ہے غلامی کی مجھے
روبرو انکے سعادت ہے سلامی کی مجھے

میرے دادا ابو طالب ہے احمدؐ پہ فدا
تھے بزرگوں میں مرے حمزہؓ و جعفرؓ اعلیٰ
مرتضیٰ باپ مرے عینِ خدا دستِ خدا (۳۶)
رایتِ فوجِ خدا جنکی امانت میں رہا
باپ نے مجھکو غلامِ شہِ ابرار کیا
پرشہِ دیں نے مجھے آج علمدار کیا

اتنا فرما کے رکے۔ دیکھا ادھر اور ادھر
اپنے کہنے کا مگر کچھ نہ نظر آیا اثر
فوج کو جنگ پہ باندھے ہوئے دیکھا جو کمر (۳۷)
غیظ میں آکے نظر کی طرفِ تیغِ دوسر
تن کے فرمایا کہ جو عزم ہے کر جائینگے
تیغ کے سیل میں ہم پار اتر جائینگے

اب اگر تیغ کھنچی پھر نہ اماں ہوگی کہیں
بے بھرے مشک میں اب نہر سے پلٹوں گا نہیں
ناگہاں فوج سے بولا پسرِ سعدِ لعیں (۳۸)
جو جہاں ہے وہ رہے جنگ پہ تیار وہیں
اتنا سننا تھا کہ عباسؑ گرج کر جھپٹے
جیسے روباہ پہ غصہ میں غضنفر جھپٹے

چھوڑ کر نیام کو جرّار کی شمشیر چلی — عالمِ غیظ میں تن کر صفتِ تیر چلی
محو کرنے کیلئے ظلم کی تحریر چلی (۳۹) — شام والوں کیلئے موت کی تصویر چلی
جھپٹی بدمستوں پہ اک شیرِ گرسنہ کی طرح
آگری فوج پہ اک برقِ جہندہ کی طرح

ہوئی جنگاہ میں گلبانگِ تسلّی مفقود — گل کدہ بن نہ سکی آتشِ آلِ نمرود
گل ہوئیں شمعیں مگر اٹھا نہ دُنبالۂ دود (۴۰) — کنجِ گل میں بھی نہ تھا سایۂ لطف و بہبود
پھول گرتے تھے جہاں تیغ کی چنگاری کے
گل وہیں جسم پہ پڑتے تھے ہر اک ناری کے

تھا یہ ڈھالوں کو خطر پھول نہ کٹ جائیں کہیں — تھی مگر تیغ بھی گلگشت میں مصروف وہیں
روشیں گل کی تھیں یا خون سے رنگیں تھی زمیں (۴۱) — خونیں تر دستِ حُر بی یا گلِ فردوسِ بریں
گل نہ کٹ جائیں یہ تھا ذکر نگہبانوں میں
تیر ترکش میں تھے یا پھول تھے گلدانوں میں

گلرخانِ عجم و نجد کے کٹتے تھے نگیں — شامیوں کی بھی ہوئی جاتی تھی گلرنگ جبیں
کہیں گلگوں تھیں قبائیں علمِ سرخ کہیں (۴۲) — خوں سے گلنار ہوئی جاتی تھی مقتل کی زمیں
تیغ بہمن سے گلے پھولوں کو ملتے دیکھا
تیغ عباسؑ کے گلزار کو کھلتے دیکھا

رخش کی جست تھی میدانِ کیں گلدار کی جست — ٹاپ کی ضرب سے گل کھاتا تھا ہشیار کہ مست
رن کے گلخن میں لہو جلتا تھا بالا و پست (۴۳) — دھول گلرنگ ہوئی اسکا یہ تھا بند و بست
سُم کی جولانی سے یوں دھول گئی تھی ہر سو
دشت میں خوں کی شفق پھول گئی ہر سو

دستِ عباس میں تلوار تھی یا پھول چھڑی
گل جلے صیقلِ صمصام کی جب چھوٹ پڑی
تیغ تھی سرخ کہ گلہائے لہو کی تھی چھڑی (۴۴)
چل گئی دست و گلو پر کبھی سینے میں گڑی
محو تھی زیست کی شمعوں کی جو گلگیری میں
فرقِ نوخیز کلی میں تھا نہ کچھ پیری میں

تیغ کے پھول سے گھبرا کے لعیں دور ہوئے
ڈھال کے پھول جو ٹکرائے تو سب چور ہوئے
گل اشرفی کے جو اُبھرے وہی بے نور ہوئے (۴۵)
گل ہوئے جل کے وہ اس طرح کہ سب طور ہوئے
کچھ بدن پھولے تو کچھ زخم لئے پھرتے تھے
کتنے ہی لوگ گلِ چشم لئے پھرتے تھے

پھول چنتی ہوئی جس سمت نکل جاتی تھی
اپنے گل بوٹے وہ میدان میں جما آتی تھی
گل کترتی تھی کہ جنگاہ میں لہراتی تھی (۴۶)
پھول کینچل کیلئے ناگ سی بل کھاتی تھی
پھول برش کے وہ پانی میں بجھانے پہنچی
یا لبِ نہر وہ گلگونہ چھڑانے پہنچی

اسپِ عباس لبِ نہر پہنچ کر ٹھہرا
بلیوں نہر کا دل فرطِ طرب سے اچھلا
ابنِ حیدر کی ہوئی دید تو پانی نے کہا (۴۷)
یا تو صفین تھی یا حق نے یہ موقع بخشا
اب حبابوں کی ہم آنکھوں کو نہ کیوں فرش کریں
فخر سے کیوں نہ دماغ آج سرِ عرش کریں

کچھ تو زیارت کیلئے نہر کا پانی اچھلا
کچھ قدم بوسیٔ غازی کیلئے آگے بڑھا
پھر ہوئی قلب میں پانی کے یہ خواہش پیدا (۴۸)
عکس محفوظ کسی طور کرے غازی کا
جب کافی ہوئے لہروں کے لبالب شیشے
نصب کروائے حبابوں کے محدب شیشے

تھا حبابوں میں یہی شور کہ تیور دیکھو
پیر کر خوں میں جو آیا وہ شناور دیکھو
(۴۹)
جس پہ خالق بھی کرے ناز وہ پیکر دیکھو
یہ جبیں دیکھو، یہ ابرو کے دو خنجر دیکھو
مدح کرکے جو حباب آگے سے ہٹ جاتے تھے
پردہ داران صدف دیکھ کے کٹ جاتے تھے

علم حضرت عباس کا تھا حسن جدا
موج گرویدہ نے خود دل لب ساحل پہ ٹکا
(۵۰)
جب خزانہ حرم یم کا نہ کافی ٹھہرا
نذر میں صرف ہوا فلس کا سارا نقرہ
عکس پانی میں جو پنجہ کا چمک جاتا تھا
تاج خورشید کے ماتھے سے ڈھلک جاتا تھا

پانی قدموں میں تھا اور تشنہ لبی کا غلبہ
لیکن عباس نے کیا جانیے کیا کیا سوچا
(۵۱)
"جھک کے پھر آئینۂ آب میں دیکھا چہرہ"
اپنے ہی عکس میں شاید نظر آئے بابا
کہہ رہے ہوں جو یہ بیٹے سے تو کچھ دور نہیں
"پانی پی لینا تمہارا مجھے منظور نہیں"

خشک مشکیزہ کو عباس نے شانے سے لیا
جھک کے کچھ دیر بھگویا اسے پھر پانی بھرا
(۵۲)
تھا جو محبوب یہ مشکیزہ انھیں جاں سے سوا
دل کے نزدیک رہے اسطرح شانے پہ لیا
پھر بہ عجلت دیا رہوار کو کاوا پلٹے!
تشنہ ہی آئے تھے اور نہر سے تشنہ پلٹے

(مطلع)

جب علمدار چلے مشک بھرے دریا سے
ناگہاں بھاگی ہوئی فوج کی دستے پلٹے
(۵۳)
پسر سعد نے اک اک کو مخاطب کرکے
کی یہ تقریر کہ اب سخت ہوں اتنے حملے
جان عباس کی رہ جائے کسی طور اگر
پانی اس مشک سے بہہ جائے بہر طور مگر

اِسطرف حضرتِ عباسؑ کی حالت تھی عجیب
کاٹتے تیر مگر اُمن نہ تھا جان کو نصیب (۵۴)
بائیں شانے پہ تھا مشکیزۂ رُوحِ جاں سے قریب
بچ کے بڑھ جاتے تھے حملہ اگر ہوتا تھا مہیب
نہ کوئی آس تھی دِل میں نہ کوئی خواہش تھی
پانی خیمے میں پہنچ جائے یہی خواہش تھی

ناگہاں داہنے شانے پہ پڑا پشت سے وار
ہو گیا مشک کو تیروں سے بچانا دشوار (۵۵)
ہاتھ کٹتے ہی گری ہائے جری کی تلوار
ایڑ گھوڑے کو لگائی کہ بڑھے کچھ رفتار
جسم کے گھاؤ کا کچھ دھیان نہیں تھا انکو
اپنے جینے کا اب ارمان نہیں تھا ان کو

دستِ چپ میں تھا علم اب بھی اُسی طرح بلند
جنگ کی آگ میں بھنتے تھے مثالِ اسپند (۵۶)
زخم کھا کر بھی نہ رکنا تھا طبیعت کو پسند
بے عناں ایڑ کے بل پر لیے جاتے تھے سمند
تیر جب آتے تو یہ مشک پہ جھک جاتے تھے
اپنے ہی جسم پہ سو وارِ ستم کھاتے تھے

دستِ چپ بھی کیا ناگاہ لعینوں نے قلم
دانت میں مشک کے تسمے کو نوٹے داب کے خم (۵۷)
گر کے ٹھنڈا ہوا گو خاک پہ مقتل کی علم
پھر یہ گھوڑے سے کہا تیز قدم تیز قدم
دِل میں کہتے تھے کہ مولا کے قدم تک پہنچوں
مشک لے کے کسی طرح حرم تک پہنچوں

سطحِ حضرتِ عباسؑ کے شانے تھے کٹے
لکھیں تھیں بند مگر پاؤں رکابوں میں جمے (۵۸)
خون فوارونکی مانند رواں تھا تن سے
دانت میں مشک تھی اور پشتِ فرس پر تھے جھکے
تیز رفتاری میں ٹھوکر جو فرس کھاتا تھا
جسم عباسؑ کا رہ رہ کے لرز جاتا تھا

یونہی گھوڑے نے جو طے فاصلہ کچھ اور کیا — حرملہ ایک نئے ظلم پہ تیار ہوا
اس ستمگار نے اک تیر کماں سے جوڑا (۵۹) — تیر لگتے ہی بہا مشک کا پانی سارا

ہائے مجبوریِ عباسؑ بیاں ہو کیسے
قلب میں پھانس جو گڑ جائے عیاں ہو کیسے

ہاتھ تو دونوں قلم ہو ہی چکے تھے پہلے — اب کہاں ہاتھ چھدی مشک پہ جو رکھ دیتے
پانی بہتا رہا عباسؑ اسے تکتے رہے (۶۰) — پانی جب بہہ گیا تو نہر کی جانب پلٹے

دل میں کہنے لگے۔ اب خیمہ میں جاؤں کیونکر
یہ چھدی مشک سکینہؑ کو دکھاؤں کیونکر

مشک کیا چھد گئی عباسؑ میں ہمت نہ رہی — پیر کیا جمتے رکابوں میں کہ طاقت نہ رہی
وار کیا روکتے اعدا کے کہ قوت نہ رہی (۶۱) — جاں بچانے کی کسی طور جو صورت نہ رہی

وار نیزوں کے وہ چپ چاپ سہے جاتے تھے
سر جھکائے ہوئے بے آس چلے جاتے تھے

مضغہ اک گوشت کا تھا کچھ بھی نہیں تھا باقی — رمقِ جاں کے سوا۔ کچھ بھی نہیں تھا باقی
ہوش بھی تھے نہ بجا۔ کچھ بھی نہیں تھا باقی (۶۲) — کیا کہیں کیا تھا بچا۔ کچھ بھی نہیں تھا باقی

ضیغمِ حق کے پسر کی کوئی حالت دیکھے
لاکھ کے نرغے میں پیاسے کی مصیبت دیکھے

ڈگمگاتے تھے اٹھاتا تھا قدم جب رہوار — ہو گیا پشتِ فرس پہ جو سنبھلنا دشوار
جھک کے گھوڑے نے بہ آہستہ اتارا ناچار (۶۳) — اپنے آقا کی حفاظت پہ ہوا پھر تیار

صیحہ کرتا ہوا دشمن دیں پر جھپٹا
گردِ عباسؑ کے افواجِ لعیں پر جھپٹا

(۶۴)

در خیمہ پہ تھے موجود شہِ عرش اساس
نظریں مقتل میں تھیں چہرے سے ہویدا تھا ہراس
علمِ حضرتِ عباسؑ بنا تھا مقیاس
اُسکو جھکتا ہوا دیکھا تو ہوئے شہ بے آس
جھک گئی غم سے کمر ٹیکتے تلوار چلے
ڈگمگاتے سوئے مقتل شہِ ابرار چلے

(۶۵)

خاک پر بیٹھ گئے شاہ۔ علمدار کے پاس
سر کو زانو پہ رکھا اور کہا بھیا عباس
ہائے افسوس تمہیں آئی نہ سقائی راس
توڑ کر جاتے ہو دل بھائی کا ہمشیر کی آس
ایک محشر ہے بپا اب تو مرے سینے میں!
تم سا جب بھائی نہ ہو خاک ہے پھر جینے میں

(۶۶)

خوشبو سرور کی۔ جو عباسؑ کو محسوس ہوئی
سر کو زانو سے گرا کر کہا قسمت میری
اپنے آقا کی میں اب کیسے کروں پابوسی
نامراد اتنی کبھی میری تمنا تو نہ تھی
بولے شہ عہدِ وفا خوب نبھایا بھیا
سر مگر کس لئے زانو سے ہٹایا بھیا

(۶۷)

بولے عباس میں دوں آپکو زحمت کیسے
میں غلام آپکا۔ مجھ سے ہوں ہزاروں صدقے
شاہ پھر بولے مری زیست بھی گو ہے چند سے
کچھ کہو تاکہ یہ مجبور اسے پورا کرے
اتنا سننا تھا کہ عباسؑ کو کچھ یاد آیا!
یاد کیا آیا کہ لب تک دلِ برباد آیا

(۶۸)

بولے عباسؑ یہ ہے آخری خواہش میری
آخری بار کروں دیدہ رخِ انور کی
لیکن اک آنکھ تو ہے تیرِ ستم سے زخمی
دوسری آنکھ میں ہے میرے لہو کی پپڑی
صاف خوں شاہؑ نے جب آنکھ سے غازی کیا
شکرِ حق چہرۂ شہؑ دیکھ کے غازی نے کیا

روکے فرمایا علمدار نے یا شاہِ ہدا — صبح سے آپ پہ سر جس نے بھی قربان کیا
آپ خیمے میں گئے لیکے جنازہ اُس کا (۶۹) — پر مری لاش کو خیمے میں نہ لے جائیے گا
پانی پہنچا نہ سکینہ کا خیمہ میں جاؤں کیسے
مُنھ سکینہ کو میں اب اپنا دکھاؤں کیسے

سن کے عباس کی یہ عرض شہِ دیں بولے — تم اگر پوری کرو میری بھی اک خواہش ہے
بھائی تم سا نہیں دیکھا نگہِ عالم نے (۷۰) — پر بجز آقا نہ کچھ اور کہا بھولے سے
اِک دفعہ بھائی جو کہہ دو دمِ آخر مجھ کو
زندگی بھر کی خوشی ہو دمِ آخر مجھ کو

سن کے ارشاد یہ کھولے جو نہی لب غازی نے — طائرِ روح نے اُڑنے کے لئے پر تولے
نبض ڈوبی نفسِ سرد اُٹھی سینے سے (۷۱) — بھائی تو کہہ دیا پر سر سے قدم تک کانپے
شاہ بولے مری عباس کمر توڑ چلے!
لاکھ بدکاروں کے نرغے میں مجھے چھوڑ چلے

شاہ اب مشک کو لیجائیں گے ساتھ اے کوثر — پھر اُٹھائینگے عدو اور قیامت سر پر
سر تو عباس کا چمکے گا سناں کے اوپر (۷۲) — سُنکے غش کھائیگی خیمہ میں بہن تفتہ جگر
دشمنوں کی یہ جفا یاد رہے گی سب کو
حشر تک انکی وفا یاد رہے گی سب کو